محمد انور انیق
اسکالر پی ایچ۔ ڈی اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر شبیر احمد قادری
استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

اقبال کا تصورِ عشق

Muhammad Anwar Aneeq
Scholar Ph.D Urdu, GC University, Faisalabad.
Dr. Shabbir Ahmad Qadri
Associate Professor, Department of Urdu, GC University, Faisalabad.

Iqbal's Concept of Love

Iqbal considers love as the basis of life. The wonderful manifestation of universe is driven by love. Iqbal's fundamental philosophy is selfhood. Life cannot sustain it- self without love. Love is the basic passion of a man's life. It is the enhanced form of affection. There is elegance and exhilaration in the realm of water and earth due to love. The power of conquest owes to love. Love, the force that is free from the limits of time and space. Cannot be guaged with the measuring stick of day and night. In a nutshell love is the key to the whole universe. Love is the ecstasy of life and under it is covered man's glory. The foundation stone of every magnum opus is laid on love. Love is the essence of life. Love brings vitality to life and makes one understand the way of life.

Keywords: *Iqbal, Love, Manifestation, Universe, Philosophy, Selfhood, Sustain, Passion, Enhanced, Affection.*

علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ میں عشق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے عشق اور اس کے ہم معانی الفاظ وجدان، شوق، محبت، دل، جنوں، جذب اور آرزو بڑے شد و مد کے ساتھ استعمال کیے ہیں۔ کلامِ اقبال میں عشق اور خودی دو ایسے موضوعات ہیں جنھیں اقبال کے افکار و خیالات میں روح کا مقام حاصل ہے۔ وہ عشق کو ایسی بے پایاں لگن کے مفہوم میں برتتے ہیں، جو کٹھن مراحل کو خاطر میں نہیں لاتی، بلکہ پوری طاقت اور تلاش و جستجو کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ ویسے بھی عشقِ مجازی ہماری شاعری کا اٹوٹ انگ رہا ہے۔ شاعر بلکہ غزل کا شاعر اس کے بغیر لقمہ نہیں توڑتا۔ رفتہ رفتہ اس رجحان نے کششِ جنس اور حرص و ہوس کی راہ اپنالی۔ مجازی عشق کی یہ

کیفیت جنسی کشش کا محور بن گئی۔ کلامِ اقبال اس قسم کے مجازی عشق سے منزہ ہے ہاں البتہ مشقِ شعر کے ابتدائی دور میں تلمیذِ داغ ہونے کے سبب انھوں نے عشقیہ اشعار ضرور کہے۔ مرثیہ داغ میں انھوں نے مجازی عشق کا اس طرح اظہار کیا:

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون؟(۱)

ان کی ایک ابتدائی غزل کے شعر دیکھیں:

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی(۲)

اقبال قیامِ یورپ کے دوران میں عشقِ مجازی کی کیفیت سے دوچار بھی رہے۔ اس کا ذکر انھوں نے ایم ڈی تاثیر مرحوم کے استفسار پر کیا۔ جس کو خلیفہ عبدالحکیم اس طرح احاطۂ تحریر میں لائے ہیں:

"تاثیر مرحوم کہتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ یہ سوال کر ڈالا تھا اور جواب ملا تھا کہ ہاں یورپ میں ایک انسان کے متعلق عارضی طور پر کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔"(۳)

اردو کلام اقبال کے علاوہ ان کی فارسی غزل میں بھی جنسی کشش کے اشارے ملتے ہیں۔ شاید ایسا غزل کی روایت کے زیر اثر ہوا۔ پیامِ مشرق کی ایک غزل کا شعر دیکھیں:

حسرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دستِ بر سینہ نظر بر لبِ بامے دارم(۴)

ترجمہ: "میں اس ماہِ کامل کے دیدار کی حسرت رکھتا ہوں۔ ہاتھ سینے پر ہے نظر چھت کی منڈیر پر رہتی ہے یعنی انتظار میں ہوں"

اقبال اس عشقِ مجازی کے روادار نہیں تھے، جو شعرائے فارسی اور اردو کے پیشِ نظر تھا، جس میں جنسی کشش اور حرص وہوس پائی جاتی تھی۔ شعر اقبال ایسی معنویت سے کوسوں دور ہے۔ اقبال کے نظام فکر میں عشق وسیع تر مفہوم رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے تصورِ عشق کو عام شعرا کی مانند وقتی کیف وسرُور کے اظہار کے لیے استعمال نہیں کیا۔ بعض متصوفین کی رائے میں عشقِ مجازی، عشقِ حقیقی کے لیے زینے کا کام کرتا ہے۔ دیدہ ور کی نگاہ حُسن میں

اس خالق کی نشانیوں کو بھانپ لیتی ہے۔ جمال کو دیکھ کر بنانے والے کا کمال یاد آتا ہے۔ حُسن تحریک ہے مجاز سے حقیقت کی جانب۔

اس حیاتِ چندروزہ میں بقائے نسل کا دارومدار بھی اسی جذبہ محبت پر ہے، جو محبوب کو دیکھنے سے عاشق کے دل میں انگیخت پیدا کرتی ہے۔ اسی سے کائنات میں نمود وافزود ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اپنی کتاب تصوراتِ عشق وخرد میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> "محبوب کی یہ کشش محض جسم کی سطح تک تو جنسی کشش کہلائے گی اور اگر اس کی تہذیب ہو جائے تو محبت کی لطافت میں تبدیل ہو جائے گی اور اگر اس محبت میں اتنی شدت پیدا ہو جائے کہ عاشق کے لیے محبوب کی ذات کے سوا کچھ باقی نہ رہے تو اسے عشق کا نام ملے گا۔۔۔ لیکن اپنے مزاج اور کارکردگی سے وہ مادی عشق ہی سے مشابہ ہے۔"(۵)

اقبال کی شاعری اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ وہ اسرارِ عشق سے واقف تھے۔ ان کی طبیعت میں یہ جذبہ اس طرح رچ بس گیا تھا جس طرح شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم سرایت کر جاتا ہے، مزاج کی خاص بات یہ تھی کہ ان میں اعتدال اور توازن صاف دکھائی دیتا ہے۔

اقبال نے عشق کو اپنے تصورات میں مادی حقائق پر روحانی حقائق کی برتری اور فوقیت ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا۔ "بانگِ درا" کی نظم "محبت" میں اس کا اظہار بڑے جذباتی طریقے سے ہوا ہے۔ زندگی شروع میں ایک ہیولیٰ تھی، کائنات کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ عالمِ ارض وسما کے کیمیا گر نے ایک نسخہ تیار کیا جس میں چاند سے داغ جگر، تاروں سے چمک، شب کی زلفِ سیاہ سے تیرگی، بجلی سے تڑپ، طور سے پاکیزگی، نفسِ عیسیٰ سے حرارت، ربوبیت سے شانِ بے نیازی، فرشتوں سے عاجزی اور شبنم سے افتادگی لے کر چشمۂ حیواں کے پانی میں ایک جان کیا، تو جو مرکب تیار ہوا اس کا نام محبت رکھا۔ جب یہ مرکب نوخیز زندگی پر چھڑکا گیا تو ہر چیز جنبش کرنے لگی۔

ہوئی جنبش عیاں ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اُٹھ اُٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی داغ پائے لالہ زاروں نے(۶)

اقبال کے نزدیک عشق زندگی کی قوتِ متحرک اور لافانی ہے، اسی سے زندگی لذتِ تخلیق کا ذوق اور ارتقا پاتی ہے۔ رونقِ کائنات اور حرکتِ اشیا اسی جوہرِ ابدی کا خاصہ ہے، عشق کل عالم کی جان ہے، آن ہے ورنہ اس سے پیشتر فضا بے کیف تھی۔ عشق کے جوہر نے بزمِ دنیا کو آمادۂ لذتِ عمل کیا:

عشق از فریاد ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد
ورنہ ایں بزمِ خموشاں ہیچ غوغائے نداشت(۷)

ترجمہ: "عشق نے ہماری فریاد سے ہنگامے تعمیر کیے ورنہ اس بزم خموشاں میں کوئی شور و غوغا نہ تھا۔"

عشق وہ وجدانی جوش و جذبہ ہے، جس سے خودداری میں استحکام آتا ہے، اور انسان کائنات کو تسخیر کرتا چلا جاتا ہے اسے اپنی منزل آسمانوں پر نظر آتی ہے، وہ اس قوت سے دشتِ جنوں میں راج کرتا ہے اور جبریل جیسا فرشتہ اس کا معمولی شکار ہوتا ہے۔ پیامِ مشرق کی ایک غزل کا شعر دیکھیں:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صَیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ(۸)

ترجمہ: "میری دیوانگی کے صحرا میں جبریل ایک معمولی شکار ہے۔ اے ہمتِ مردانہ یزداں پر کمند ڈال۔ (اپنی محبت میں اللہ تعالیٰ کو لا)"

اقبال کے تصورِ عشق کے بارے میں ڈاکٹر یوسف حسین خان روحِ اقبال میں لکھتے ہیں:

"لفظ عشق کو اقبال نے نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ مجاز و حقیقت دونوں پر حاوی ہے اور خودی کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے۔ عشق سے اقبال کی مراد وہ جوشِ وجدان ہے جو ایک قدر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے تانے بانے سے ذات اپنی قبائے صفات بناتی ہے۔ اس کی بدولت انسان کی تکمیلِ ذات کے لیے جذب و تسخیر پر عمل ہوتا ہے، اور ہر قسم کے موانع پر قابو پاتا ہے۔"(۹)

علامہ اقبال کے نزدیک انسان کو عشق کی بدولت فرشتوں پر شرف حاصل ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مقامِ شوق فرشتوں کے بس میں نہیں ہے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو بارِ عشق اٹھانے کے قابل سمجھا گیا اور عشق کے سوز و گداز کا سزاوار خیال کیا گیا، بقولِ اقبال:

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد(۱۰)

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کے رگ وپے میں عشق رواں دواں ہے اسی کی ہر طرف کار فرمائی ہے۔ گلِ لالہ کی پتیوں میں عشق ہی جلوہ ریز ہے اور عطر بیز ہے۔ انسان کے رگ وپے میں عشق کے ہنگامے ہیں مختصر یہ کہ دنیا کی کسی چیز کا دل چیریں تو اس سے عشق کا ہی خون ٹپکتا نظر آئے گا۔ اقبال تصور عشق کے سلسلے میں بھی پیرِ رومی سے رہنمائی لیتے ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

"یہ لفظِ عشق نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عشق کسی شے کو اپنے اندر جذب کر لینے اور اسے اپنا جزوِ حیات بنا کر اپنا لینے کا نام ہے۔"(۱۱)

عشق مولانا روم کا خاص الخاص مضمون ہے، ان کے نزدیک تخلیقِ کائنات اور ارتقائے حیات کا منبع و مصدر عشق ہی ہے۔ اقبال کے نزدیک بھی ارتقائے حیات اور تخلیقِ کائنات کا سرچشمہ اور قوتِ محرکہ عشق ہی ہے۔ عشق ہی شوقِ آرزو کا سرخیل ہے وہ عشق ہی ہے جس کی بدولت باغوں میں بہار، گلوں میں نکھار اور گلشن کو اعتبار حاصل ہے۔ اس سے راتوں میں محوِ پرواز پرندے بھٹکنے سے محفوظ رہتے ہیں، عشق راہبرِ اعظم ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق
براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاع مہر او قلزم شگاف است
بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق(۱۲)

ترجمہ: "عشق باغوں کو بادِ بہاری عطا کرتا ہے۔ عشق جنگلوں میں ستاروں کی مانند سفید غنچے پیدا کرتا ہے۔ آفتابِ عشق کی شعاع سمندر کو چیر جاتی ہے۔ عشق سمندر میں مچھلی کو راستہ دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے۔"

اقبال عشق کے لیے دردِ دل اِضطراب، سوز و گداز، مہجوری اور منزل کو پانے کے لیے ذوق و شوقِ سفر کو بھی لازم قرار دیتے ہیں۔

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل(۱۳)

جب محبت شدت اختیار کر جاتی ہے تو عشق کا روپ دھار لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی اس شدید محبت کو قرآنِ حکیم میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا جامع اور اکمل نمونہ محبوب خدا احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ تمام مسلم صوفیا جو عشقِ الٰہی میں مگن رہے، اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ میدانِ عشق میں حضور نبی اکرم ﷺ کے مقلد و مطیع رہے۔ عاشق کے اقوال و افعال اور افکار و اعمال کا مرکز و محور عشقِ محبوب ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ

کی یہ صفت قرآن حکیم نے بیان کی ہے، عشق کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ محب اور محبوب کی منشا ایک ہو جائے، اس لیے رسولِ خدا ﷺ وہی بات کہتے جو خدا کو منظور ہوتی، دوسری بات دہنِ مبارک سے نکلتی ہی نہ تھی۔ اس مقام پر کمالِ فنا اور کمالِ بقا ایک ہو جاتے ہیں۔ جس طرح صحابہ کرامؓ کو نبی کریم ﷺ سے عشق تھا۔ اسی طرح رسولِ عربی ﷺ کو خدا سے عشق تھا۔ صحابہ کو رسولؐ اللہ سے عشق کے سبب دولتِ ایمان اور سرمایۂ وجدان نصیب ہوئے۔ عشقِ صحابہ کے سامنے حُبِ والدین اور محبتِ اہل و عیال ہیچ تھی۔ اسلام کی اساس عشق پر ہے۔ عشق کو اسلام کہہ لیں یا اسلام کو عشق:

زندگی را شرع و آئین است عشق
اصل تہذیبِ عشق دیں، دین است عشق (۱۴)
ترجمہ: "عشق زندگی کی شریعت اور آئین ہے۔ تہذیب کی بنیاد دین ہے اور دین کی بنیاد عشق یعنی دین کی بنیاد عشق پر استوار ہے۔"

اقبال کے نزدیک حقیقتِ دنیا اور حقیقتِ حق تک رسائی کے لیے قوتِ عشق درکار ہوتی ہے، عشق سے ہی تمنائیں اور آرزوئیں جنم لیتی ہیں، عشق کی بدولت ہی ان میں نیا سوز و سرور اور حرارت پیدا ہوتی ہے، عشق کائنات کی قوتِ عظیم ہے۔ دنیا و مافیہا اسی ایک جذبے کے کرشمے ہیں۔

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں (۱۵)

نظامِ کائنات عشق کی قوتِ جاذبہ سے قائم و دائم ہے۔ اسی سے مظاہرِ ہست و بود میں آہنگ ہے رنگ ہے۔ اسی کی بدولت انسان اور عالم آب و گل میں ترتیب و توازن ہے۔ اسی سے انسان میں عزم و استقلال جنم لیتا ہے جو تسخیرِ کائنات اور ارتقائے حیات کی جدوجہد میں راہنما ثابت ہوتا ہے۔ صراطِ عشق کی تخلیقی قوت کا جو بیان مسجدِ قرطبہ میں ہوا ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نظم کا ایک بند دیکھیں:

ہے مگر اس میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
تند و سُبک سَیر ہے گرچہ زمانے کی رَو

عشق خود ایک سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیل، عشق دِلِ مصطفی
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اِس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات[۱۶]

جس انسان میں عشق کا جذبہ نہیں، اس تنِ خاکی میں جان تو ہے روح نہیں۔ قوتِ عشق زمان و مکان سے ماوراہے، اس کی کوئی حدود قیود نہیں، سارا جہان اس جذبۂ صادق کے زیرِ نگاہ ہے۔ جذبہ عشق کی قوتِ تسخیر آب و گل اور باد و رعد کی محتاج نہیں اور نہ شدتِ اعصاب کی مرہونِ منت ہے۔ یہ قوت دوری اور نزدیکی کو خاطر میں نہیں لاتی اور نہ اسباب و علل کو۔ یہ قوت زمان و مکان پر قادر ہے۔ اس کے سامنے گردشِ لیل و نہار بھی ہیچ ہے اور زمین و آسمان بھی۔ اقبال نے اس قوت کو برہانِ مبین اور واضح دلیل قرار دیا ہے:

عشق سلطان است و برہانِ مبیں
ہر دو عالم عشق را زیرِ نگیں[۱۷]

ترجمہ: "عشق سلطان بھی ہے اور واضح دلیل بھی ہے۔
دونوں جہان عشق ہی کے زیرِ نگیں ہیں۔"

جذبۂ عشق زمین و آسماں سے ورا ہے۔ دونوں عالم میں عشق کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، یہ قوتِ لایموت سے بھی اس جذبے کو حاصل کر سکتا ہے۔ عشق کا تعلق کسی گروہ، خاندان یا نسل سے نہیں، یہ تو وہ آگ ہے جو کہیں بھی بھڑک سکتی ہے۔ لگائے سے لگتی نہیں اور بجھائے سے بجھتی نہیں۔ قدرت خود بخود اس کا بندوبست کر دیتی ہے۔ یہ قوت شعلۂ خوابیدہ کی طرح ہوتی ہے۔ بس ذرا ہوا دینے سے الاؤ بن جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک منکرِ عشق کافر و زندیق ہے:

ز رسم و راہِ شریعت نکردہ ام تحقیق
جز اینکہ منکرِ عشق است کافر و زندیق[۱۸]

ترجمہ: "میں نے شریعت کے احکام کی تحقیق کی ہے اوراس نتیجے پر پہنچاہوں کہ منکرِ عشق ہی کافروزندیق ہے۔"

اقبال کے فلسفے کا محور و مرکز خودی ہے۔ فلسفۂ خودی عشق کا رہین منت ہے، اقبال نے عشق کو جملہ دیگر تصورات سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ عشق کا عاشق دکھائی دیتا ہے۔ فکرِ اقبال میں خلیفہ عبدالحکیم نے اس طرح خامہ فرسائی کی ہے:

"اقبال کو کسی معشوق سے نہیں بلکہ خود عشق سے عشق ہو گیا وہ عشق جو زمان و مکان اور فرد و اشیاء کا خالق ہونے کی وجہ سے خود اپنے پیدا کردہ حدود و قیود سے آزاد ہو گیا۔ اس کو عشقِ الٰہی کہیے یا عشقِ حیاتِ لامتناہی... اس عشق کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا اور خود اقبال بھی اس کی انتہا کا آرزومند نہیں کیوں کہ اس کے نزدیک زندگی سے ابد تک جستجو ہی جستجو ہے۔"[۱۹]

عشق سے لبریز نگاہِ مردِ مومن توجہ طلب انسان کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ یہ نگاہ سالوں کی ریاضت و عبادت اور عمر بھر کے زُہد پر بھاری ہوتی ہے۔ عشق کی آہ سو سال کی راہ کو لمحوں میں طے کر سکتی ہے۔ تختِ بلقیس کو ایک آن میں سامنے حاضر کر دیتی ہے۔ تاریخِ عشق ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے، یہ مراحلِ شوق ہیں جو ہر لمحہ نئی برقِ تجلی اور نئے طور کے نظارے کراتے ہیں:

وادیٔ عشق بسے دور دراز است ولے
طے شود جادۂ صدسالہ بآہے گاہے[۲۰]

ترجمہ: "وادی عشق کا فاصلہ بڑا دور دراز ہے لیکن کبھی کبھی سو سال کی راہ ایک آہ سے طے ہو جاتی ہے۔"

حضوراکرم ﷺ کی ذات عشق کا بہترین نمونہ ہے۔ حیات حضور ﷺ میں کمال و جمال، ہستی و مستی، جلوت و خلوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔ عشقِ حضورؐ کی سرمستی و سرشاری ارتقائے انسانی کا لازمی عنصر قرار پاتا ہے۔ اس آب و خاک کے کھیل کی تجلیات آفتابِ مصطفوی سے مستعار ہیں، بقولِ اقبال:

می ندانی عشق و مستی از کجاست
ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰؐ است[۲۱]

ترجمہ: "کیا تم نہیں جانتے ہو کہ عشق و مستی کہاں سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تو آفتابِ ذاتِ مصطفی ﷺ کی ایک شعاع ہے۔"

اقبال کے مطابق آدابِ عشق کی تعلیم کے بغیر دین میں پختگی ناممکن ہے۔ اربابِ عشق کی صحبت کا فیض ہوتا ہے کہ عامی میں بھی کوئی خامی باقی نہیں رہتی۔ وہ اس خیال کو نظم میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

دیں نگردد پختہ بے آدابِ عشق
دین بگیر از صحبتِ اربابِ عشق(۲۲)

ترجمہ: "آدابِ عشق کے بغیر دین پختہ نہیں ہوتا، اس لیے دین ارباب عشق کی صحبت سے حاصل کرو۔"

خیر کو شر پر فوقیت عشق ہی کی بدولت حاصل ہے اور اسی کے سبب اس پر غالب ہے۔ بظاہر یہ خیر و شر میں مدوجزر اس دنیائے دوں میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے کہ شر خیر پر غالب آگیا ہے۔ وہ صرف آتشِ نمرود کی طرح عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ جیت آخرِ کار جذبۂ عشق کے طفیل خیر کی ہوتی ہے۔ عشق عام قطرۂ آب کو گوہرِ صدف بنا دیتا ہے اور مردہ دلوں میں نئی لو لگا دیتا ہے۔ فنا کو بقا بخشتا ہے۔ سید عابد علی عابد کی عشق کے بارے میں رائے بڑی صائب ہے:

"اسلام در حقیقت اس جوہرِ عشق کا نام ہے، جو فطرتِ ازل نے صلاح و خیر کے حصول کے لئے ضمیرِ انسانی کے گوشوں کو ودیعت کر رکھا ہے۔ اقبال کو اب اس مردِ کامل کی تلاش تھی جو اس جوہر عشق کا کامل ترین مصدر ہو۔ اقبال کو رسولِ پاک ﷺ کی ذات میں اس جوہر کا مصدر نظر آیا۔ اس جستجو کے اختتام پر رسولِ پاکؐ سے عقیدت اس کا منطقی نتیجہ تھی۔"(۲۳)

جب یہ عقیدت ارتقاپذیر ہوئی اور معراج پر پہنچی تو عشق کا نام پایا۔ تو یہ شعر اقبال کی زبان پر آیا:

باخدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یارسول ﷺ اللہ او پنہان و تو پیدائے من(۲۴)

ترجمہ: "اے اللہ پاک کے رسول ﷺ میں اللہ تعالیٰ سے چھپا کر کہتا ہوں لیکن آپ سے برملا عرض کرتا ہوں، کیونکہ وہ میرے لیے پنہاں ہے اور آپ ﷺ ظاہر"

بعض اوقات مطالعہ اقبال سے ان کے عجیب وغریب خیالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ وہ عام عاشق کی طرح وصل کی طلب کو گناہ سمجھتے ہیں کہ وصل سوزِ جستجو کے اختتام کا نام ہے۔ اقبال سوزِ جستجو کو عینِ حیات سمجھتے ہیں۔ وہ جنتِ فرشی وعرشی کو قبول کرنے سے گریزاں ہے، جس میں دردمندی اور سوز وگداز ناپید ہو، بقولِ اقبال:

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد زوصل
چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ نا تمام[۲۵]

ترجمہ: "تو ابھی نہیں سمجھتا کہ وصال شوق کی موت ہے۔
حیاتِ دوام کیا ہے؟ ہر وقت محبت میں جلتے رہنا"

اسی نکتے کی مزید وضاحت میں اقبال کا ایک اور فارسی شعر دیکھیں:

دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے، نہ غمے، نہ غمگسارے[۲۶]

ترجمہ: "بہشتِ جاوداں میں عاشقوں کا دل مر جاتا ہے کیونکہ وہاں نہ کوئی دردمند صدا ہے نہ غم اور نہ غمگسار"

علامہ اقبال سمندر میں قطرے کو گم کر دینے کے قائل نہیں وہ اس بات کے تمنائی ہیں کہ قطرہ اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے صدف میں گوہر کی صورت اختیار کر لے۔ اقبال سے پیشتر نظریۂ وحدت الوجود کو قبولیت کا درجہ حاصل تھا۔ اقبال کے نزدیک اس نظریے میں معقولیت نہیں کیونکہ اس میں عاشق کا انفرادی وجود ختم ہو جاتا ہے۔ وہ وجود کو ختم کرنے پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔ وہ وصال کی نسبت فراق کے متمنی ہیں۔ وہ ہجر کی لذت کے رسیا ہیں۔ وہ وصالِ محبوب کی لطفِ چند ساعتِ سے گریزاں ہیں، کیونکہ وہ دائمی نہیں۔ وہ اسی لیے مقام بندگی شان خداوندی کے عوض دینے کو تیار نہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے ملاحظہ ہو:

> "اقبال کے تصورِ عشق میں ایسے وصل کی کوئی جگہ نہیں جس میں عاشق کے انفرادی وجود کے مٹ جانے کا خطرہ ہو۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وصال سے عاشق کا وجود ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں محبوب کے وجود کی سی بے کرانی پیدا ہو جاتی ہے... طالب و مطلوب ایک دوسرے سے مل کر بھی ایک دوسرے کے لیے مضطرب رہتے ہیں۔ اب خواہ اس کو ہجر وفراق کہہ لیا جائے یا قرب ووصال۔"[۲۷]

عشق انسان کی زندگی کا بنیادی جذبہ ہے۔ یہ محبت کی بڑھی ہوئی شکل ہے۔ اقبال نے عشق کو اصل حیات کہا ہے۔ اسی سے معرکہ کائنات بپا ہے۔ اقبال کا بنیادی فلسفہ خودی ہے۔ عشق کے بغیر خودی کا استحکام ممکن نہیں۔ خودی کے بنیادی مراحل (۱) اطاعت (۲) ضبطِ نفس (۳) نیابتِ الٰہی ہیں، عشق کے بغیر ان کا وجود بھی ادھورا ہے۔ اس

بزمِ گیتیکی بہار میں نکھار اور دوری میں حضوری عشق کی وجہ سے ہے۔ قوتِ تسخیر عشق کی دستِ نگر ہے۔ عشق زمان و مکان سے ماوراوہ طاقت ہے جس کو پیمانۂ روز و شب سے ناپنا ممکن نہیں۔ الغرض کل کائنات کی کلید عشق ہے۔ لگن میں مگن رہنے کا نام عشق ہے۔ یہ زندگی کا سرور ہے اور اسی میں انسان کی معراج مستور ہے۔ ہر شہکار کی بنیاد عشق پر استوار ہے۔ عشق انقلاب آفریں جذبہ ہے۔ اس سے زندگی میں دم ہے اور آشنائے رم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، لاہور: اقبال اکادمی، طبع نہم، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۷
۲۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۳۔ عبدالحکیم، خلیفہ ، "اقبال کی شاعری کا مفہوم، مشمولہ: "مطالعہ اقبال" مرتبہ: گوہر نوشاہی، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۴
۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع پنجم، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۳
۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، لاہور: تصوراتِ عشق و خرد، اقبال کی نظر میں، اقبال اکادمی، طبع سوم، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۸
۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، (اُردو)، ص ۱۳۸
۷۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، (فارسی)، ص ۵۲۸
۸۔ ایضاً، ص ۱۶۶
۹۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روح اقبال، لاہور: آئینہ ادب، طبع دوم، ۱۹۶۹ء، ص ۵۶
۱۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، (اُردو)، ص ۳۴۸
۱۱۔ عبدالحکیم، خلیفہ، اقبال کی شاعری میں عشق کا مفہوم، مطالعہ اقبال، مرتبہ: گوہر نوشاہی، ص ۱۶۶
۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۱۹۶
۱۳۔ اقبال، کلیات اقبال (اُردو)، ص ۹۳
۱۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۷۰۰
۱۵۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۵۳۳
۱۶۔ ایضاً، ص ۴۲۰
۱۷۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۶۱۰
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۰۵
۱۹۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، طبع دہم، ۲۰۱۳ء، ص ۲۸۱
۲۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۳۹۴
۲۱۔ ایضاً، ص ۸۶۴
۲۲۔ ایضاً، ص ۷۰۰
۲۳۔ عابد علی عابد، سید، شعر اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۰
۲۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص ۳۵۳

۲۵۔ ایضاً، ص۲۵۷

۲۶۔ ایضاً، ص۲۹۸

۲۷۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، طبع اول، ۱۹۷۸ء، ص۲۵۶

References in Roman Script

1- Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Urdu), Lahore: Iqbal Academy, Ninth Edition, 2009, p.117

2- Do, p. 124

3- Abdul Hakim, Khalifa, "The Meaning of Iqbal's Poetry, Content:" Study of Iqbal ", Edited by: Gohar Noshahi, Lahore: Bazm Iqbal, 1983, p. 164

4- Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 5th edition, 1985, p. 163

5- Wazir Agha, Doctor, Lahore: Concepts of Love and Wisdom, in the Eyes of Iqbal, Iqbal Academy, Third Edition, 1996, p.168

6- Iqbal, Iqbal College, (Urdu), p. 138

7- Iqbal, Iqbal College, (Persian), p. 528

8- Do, p. 166

9- Yusuf Hussain Khan, Doctor, Roh Iqbal, Lahore: Mirror of Literature, Second Edition, 1969, p. 56

10. Iqbal, Iqbal College, (Urdu), p. 368

11- Abdul Hakim, Caliph, The Meaning of Love in Iqbal's Poetry, Iqbal's Study, Edited by: Gohar Noshahi, p.

12- Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), p. 196

13- Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 93

14. Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), p. 700

15- Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 533

16- Do, p. 620

17. Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), p. 610

18- Do, p. 505

19- Abdul Hakim, Khalifa, Doctor, Fiqr-e-Iqbal, Lahore: Bazm-e-Iqbal, Tenth Edition, 2013, p. 281

20. Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), p. 396

21- Do, p. 866

22- Do, p.700

23- Abid Ali Abid, Syed, Poetry of Iqbal, Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1993, p.210

24. Iqbal, Kaliyat-e-Iqbal (Persian), p. 353

25- Do, p. 257

26- Do, p. 298

27- Farman Fateh Puri, Dr. Iqbal for all, Karachi: Urdu Academy Sindh, first edition, 1978, p. 256